Fikr-o-Nasar (Islamabad) 43:2 (2005)

فکر و نظر............ اسلام آباد　　　　جلد: ۴۳　　شمارہ: ۲

شبہ کے حدود پر اثرات

محمد عثمان ☆

اسلام کے نظریہ جرم و سزا کا مقصد معاشرہ سے جرائم کو ختم کرنا ہے۔ اسلامی حدود کے نفاذ میں اسلامی مملکت کے ہر فرد کے جان و مال کا تحفظ اور انسانیت کی تکریم ہے۔ ان حدود کا نفاذ نہ تو کسی حکمران کی صوابدید پرہوتا ہے اور نہ ہی کوئی حکمران انہیں انتقام کا ذریعہ بنا سکتا ہے۔ یہ حدود تحقیق و تفتیش کے بغیر نافذ نہیں کر دی جاتیں۔ بلکہ ملزم پر فردِ جرم عائد کرنے کے لئے شریعت اسلامیہ میں کئی شرائط' لوازم' حد درجہ احتیاط اور کڑا معیار شہادت مقرر ہے۔

حد کے لغوی معنی ہیں دو چیزوں کے درمیان کی روک، جو ایک کو دوسری سے ملنے نہ دے یا ایک کو دوسری سے جدا کر دے۔

اَلحَدُّ حَاجِز" بَيْنَ الشَّيْئَيْنَ(۱)

ترجمہ: حد، دو چیزوں کے درمیان فصل بن جانے والی چیز ہے۔

فقہ میں حد کی اصطلاح سے مراد ہے۔

عَقُوْبَةٌ مُقَدَّرَةٌ تَجِبُ حَقًّا لِلّٰهِ.(۲)

ترجمہ: وہ سزا جو اللہ تعالیٰ کے حق کی حیثیت میں واجب ہوتی ہے۔

حدود کی پانچ قسمیں ہیں حد زنا، حد سرقہ، حد قذف، حد حرابہ، حد شرب۔ قصاص حد نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق حق العبد سے ہے۔ قصاص کی ایک تخفیفی صورت دیت ہے۔

اسلام میں حدود کا نفاذ انتقام یا بے رحمی کی بنا پر نہیں۔ حد مانع اور زاجر کی حیثیت رکھتی ہے۔ زنا کی حد سے نسب محفوظ رہتے ہیں۔ چوری کی حد سے مال محفوظ رہتا ہے۔ شراب کی حد سے عقل کی حفاظت مقصود ہوتی ہے۔ حد قذف کا مقصد آبرو کا تحفظ ہے۔ دراصل سزا نہ دینا بھی جرائم کو فروغ دینے کا موجب بنتا ہے۔ جرائم کا معاشرے کے روحانی' اخلاقی اور اقتصادی حالت سے گہرا تعلق ہے۔ اس لئے اسلام نے جرائم کی روک تھام کے لئے سزاؤں کے نفاذ

☆ لیکچرر اسلامیات، چناب کالج، جھنگ

DMHL

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.　　http://iri.iiu.edu.pk/

کے مناسب طریقے اختیار کئے ہیں۔

حدود کے دائرہ نفاذ کو تنگ کرنا اسلام میں پسندیدہ امر ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اِدْرَؤُا الْحُدُوْدَ عَنِ الْمُسْلِمِیْنَ مَااسْتَطَعْتُمْ فَاِنْ وجد تم للمسلم مَخْرَجاً فَخَلُّوْا سَبِیْلَہ، فَاِنَّ الْاِمَامَ اَنْ یُخطِیَٔ فِیْ العَفْوِ خَیْر مِنْ اَنْ یُخطِیَٔ فِیْ العَقُوْبَۃِ. [۳]

ترجمہ: مسلمانوں سے حدود کو استطاعت کے مطابق دور رکھو۔ اگر (ملزم) کے لئے بچ نکلنے کا کوئی راستہ ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دو۔ حاکم معاف کرنے میں غلطی کرے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ سزا دینے میں غلطی کرے۔

شبہات کی بنا پر حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاارشاد ہے:۔

لأنْ اَعْطَلَ الْحُدُوْدَ بِالشُبْھَاتِ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُقِیْمَھَا بِالشُّبْھَاتِ. [۴]

ترجمہ: شبہات کی بناپر حدود کے قیام کی نسبت حدود کا سقوط مجھے زیادہ پسندیدہ ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

اِدْفَعُوْا الْحُدُوْدَ بِکُلِّ شُبْھَۃٍ. [۵]

ترجمہ: حدود کو ہر شبہ سے دور کر دو۔

قوت کے لحاظ سے شبہات ایک ہی درجہ کے نہیں ہیں۔ ان میں سے کچھ قوی شبہات ہیں اور کچھ ضعیف۔ اس باب میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

حد زنا پر شبہ کا اثر

احناف کے نزدیک شبہ کا حد زنا پر اثر: فقہاء کا اتفاق ہے کہ وطی بالشبہ میں حد نہیں ہوتی۔ لیکن فقہاء کا اس میں اختلاف ہوا ہے کہ کونسا شبہ حد کو ساقط کرنے والا ہے۔

احناف و شوافع نے شبہ کو کئی اقسا م میں تقسیم کیا ہے۔ لیکن مالکیہ اور حنابلہ سزا پر شبہ کے اثر کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن وہ شبہ کو احناف و شوافع کی طرح کئی اقسام میں تقسیم نہیں کرتے۔

احناف[۶] شبہ کو درج ذیل اقسام میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱۔ شبہ فی الفعل، ۲۔ شبہ فی المحل، ۳۔ شبہ فی العقد۔

۱۔ شبہ فی الفعل

شبہ فی الفعل کا دوسرا نام شبہ اشتباہ بھی ہے اور یہ شبہ اس آدمی کے حق میں ہوتا ہے جس پر کسی چیز کی حلت اور حرمت مشتبہ ہو جاتی ہے اور وہ غیر دلیل کو دلیل گمان کر لیتا ہے اور اس شبہ کو وجود کیلئے ظن یعنی غیر دلیل کو دلیل ہونے کا گمان ہونا لازم ہے کیونکہ اگر غیر دلیل کے دلیل ہونے کا گمان بھی نہ ہو گا تو حلت اور حرمت میں اشتباہ کیسے پیش آ جائے گا۔ اشتباہ تب ہی ہو گا جب غیر دلیل کے دلیل ہونے کا گمان ہو گا اور اس اشتباہ سے شبہ پیدا ہو گا تو معلوم ہو گیا کہ شبہ فی الفعل کے وجود کیلئے ظن کا ہونا لازم ہے۔

پس احناف کے ہاں شبہ فی الفعل آٹھ جگہ میں ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ جیسے کوئی اپنے باپ، اپنی ماں اور اپنی بیوی کی باندی سے وطی کرے۔

۲۔ مطلقہ ثلاث سے مدت عدت میں جماع کرنا۔

۳۔ اور اس عورت سے وطی کرنا جسے بائنہ طلاق مال کے بدلے دی گئی ہو (جیسے خلع) اور وہ عورت ابھی عدت میں ہو۔

۴۔ اور ام ولد جسے اسکا مولیٰ آزاد کر چکا ہو اور وہ ابھی عدت میں ہو اس سے وطی کرنا۔

۵۔ اپنے آقا و مولیٰ کی باندی سے وطی کرنا۔

۶۔ مرہونہ باندی سے وطی کرنا یعنی اگر کسی کے پاس کسی کی باندی رہن رکھی ہوئی تھی اور اس نے اس سے جماع کر لیا۔

پہلے نمبر میں تین کو ایک شمار کیا گیا ہے اس لیے دو کو الگ کریں گے تو آٹھ صورتیں پوری ہو جائیں گی۔

پس ان مذکورہ جگہوں میں حد نہیں آتی جب فاعل کہے کہ میں نے گمان کیا ہے کہ وہ میرے لئے حلال ہے۔ لیکن اگر اس نے کہا کہ مجھے اس کی حرمت کا علم تھا تو پھر اس پر حد واجب ہو جائے گی۔ کیونکہ اب تو اس کو حلت کا شبہ پیش ہی نہیں آیا لہذا حد کیوں ساقط ہو۔

۲۔ شبہ فی المحل

شبہ فی المحل کو شبہ حکمیہ بھی کہتے ہیں اور یہ شبہ حکم شرع میں قائم ہوتا ہے اور دلیل شرعی موجود ہونے کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے۔ وہ دلیل شرعی حرمت کی نفی کرتی ہے اور اس شبہ کے

فاعل کا ظن اور اعتقاد سے تعلق نہیں ہوتا۔ یعنی یہ شبہ فی المحل فاعل کے ظن اور گمان و اعتقاد کی وجہ سے پیش نہیں آتا بلکہ یہ دلیل شرعی جو حرمت کی نفی کرتی ہے کی وجہ سے پیش آتا ہے۔ اور اس شبہ فی المحل کا اس سے بھی تعلق نہیں کہ وہ اس دلیل شرعی جو حرمت کی نفی کرتی ہو کا علم رکھتا ہو یا نہ ہو۔ فی الواقع ایسی دلیل کا موجود ہونا ہی شبہ پیدا کرتا ہے خواہ فاعل/زانی کو اس دلیل شرعی جو حرمت کی نفی کرتی ہو کا علم نہ بھی ہو۔

احناف کے ہاں شبہ فی الطریق چھ جگہ میں ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ اپنے بیٹے کی باندی سے جماع کرنا۔

۲۔ وہ مطلقہ جسے کنایات کے ساتھ طلاق بائن دی گئی ہو سے جماع کرنا۔

۳۔ وہ باندی جس کی بیع ہو چکی ہو مگر ابھی تک مشتری کو سپرد نہ کی گئی ہو اور بائع اس سے وطی کرے تو یہاں شبہ فی المحل کی وجہ سے حد زنا ساقط ہو گی۔

۴۔ اور ایسی عورت جس نے ابھی تک حق مہر قبض نہ کیا ہو اس سے خاوند نے جبراً وطی کر لی تو یہاں بھی شبہ فی المحل موجود ہے لہذا حد ساقط ہو گی۔

۵۔ اور ایسی باندی جو زانی اور کسی اور شخص میں مشترکہ ہو ۔

۶۔ اور مرھونہ باندی سے رہن رکھنے والے کا جماع کر لینا یعنی جس کے پاس رہن رکھا گیا تھا اس نے وطی کر لی تو یہاں بھی شبہ فی المحل موجود ہے۔

پس ان مذکورہ مواضع میں حد واجب نہ ہو گی اگرچہ زانی جانتا ہو کہ وہ عورت اس پر حرام ہے۔

۳۔ شبہ فی العقد

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شبہ عقد میں بھی ہو سکتا ہے۔ اگرچہ اس عقد کے حرام ہونے پر سب کا اتفاق ہو۔ اس کی مثالیں یہ ہیں۔ محارم سے نکاح کرنا' چار عورتوں کی موجودگی میں پانچویں سے نکاح کر لینا' کسی شادی شدہ شوہر والی عورت سے نکاح کر لینا' معتدہ سے نکاح کر لینا اور اسی طرح مطلقہ ثلاث سے **قبل ان تنکح زوجاً غیرہ** سے نکاح کر لینا۔
امام ابوحنیفہؒ کے ہاں ان صورتوں میں وطی کو جائز کرنے والی صورت پائی گئی ہے اور وہ ہے نکاح کرنا جو کہ وطی کے جائز ہونے کا سبب ہے۔ لیکن جب حکم نکاح ثابت نہ ہوا یعنی مندرجہ بالا صورتوں میں وطی کا جواز ثابت نہ ہوا تو صرف صورتِ نکاح باقی رہ گئی تو حد کو ساقط کرنے

والی شبہ کی صورت باقی رہ گئی لہذا اس شبہ کی وجہ سے مذکورہ بالا صورتوں میں وطی کرنے سے حد زنا واجب نہ ہو گی۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب کے نزدیک مذکورہ بالا صورتوں میں وطیٔ عقدِ باطل کے ساتھ رونما ہوئی ہے اور عقدِ باطل سے وطی قطعاً جائز نہیں ہو سکتی یا یہ کہ وطی ایسے فرج میں ہوئی ہے جس کی حرمت مجمع علیہ ہے اور یہاں نہ مِلک ہے اور نہ شبہ مِلک ہے اور وطی کرنے والا اہلِ حد میں سے ہے اسے حرمت کا علم ہے۔

پس اس کیلئے کوئی عذر نہیں ہے۔ پس اس پر حد واجب ہو گی اور جمہور کی بھی یہی رائے ہے۔

شوافع کے نزدیک شبہ کا حد زنا پر اثر

شوافع(۷) شبہ کو تین قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱۔ شبہ فی المحل، ۲۔ شبہ فی الفاعل، ۳۔ شبہ الجہۃ اوالطریق

۱۔ شبہ فی المحل

شوافع کے ہاں اس کی مثالیں یہ ہیں۔ حائضہ بیوی سے وطی کرنا' یا روزہ دار زوجہ سے وطی کرنا یا بیوی کی دبر میں وطی کرنا' دو شخصوں میں مشترکہ باندی سے ایک شریک کا وطی کرنا اور اپنے بیٹے کی باندی سے وطی کرنا ان تمام صورتوں میں فعل حرام کے محل میں شبہ موجود ہے اس لیے کہ ان تمام صورتوں میں محل فعل وطی کرنے والے کی ملک میں ہے۔

۲۔ شبہ فی الفاعل

اس کی مثال یہ ہے جیسے کسی شخص کو کوئی عورت حوالے کی گئی کہ وہ اس کی بیوی ہے اور اس نے اس سے وطی کر لی پھر پتہ چلا کہ وہ اس کی بیوی نہیں ہے۔ یہاں شبہ کی بنیاد یہ ہے کہ فاعل کا گمان اور اعتقاد یہ ہے کہ وہ اس پر حرام نہیں ہے۔ فاعل کا یہ گمان شبہ کو جنم دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حد ساقط ہو جاتی ہے۔

۳۔ شبہ فی الجہۃ او الطریق

اور یہ فعل کے حلال اور حرام ہونے میں اشتباہ ہوتا ہے اور اس شبہ کی بنیاد فعل کی حلت وحرمت پر فقہاء کا اختلاف ہوتا ہے۔ پس ہر جگہ جہاں فقہاء نے حلت اور حرمت کا اختلاف کیا

ہے یہ شبہ کو جنم دیتا ہے جس سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر امام ابوحنیفہؒ ولی کے بغیر نکاح کو جائز رکھتے ہیں اور امام مالک گواہوں کے بغیر نکاح کو جائز رکھتے ہیں اور اسی طرح شوافع مہر کے بغیر نکاح کو جائز رکھتے ہیں۔ لیکن جمہور فقہاء ان نکاحوں کو جائز نہیں سمجھتے۔ لہذا اس اختلاف کا یہ نتیجہ ہے کہ اگر کسی نے ان مختلف فیہ نکاحوں میں وطی کر لی تو اس پر حد نہیں آئے گی۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک حد زنا میں شبہ کا اثر

حنابلہ(۸) کے نزدیک اگر کسی نے اپنی ایسی باندی سے وطی کر لی جس میں اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک تھا یا اپنے بیٹے کی باندی سے وطی کر لی یا کسی نے کسی عورت کو اپنے بستر پر پایا اسے اپنی بیوی سمجھ کر اس سے وطی کر لی۔ یا جس شخص کی نگاہ کمزور تھی اس نے اپنی بیوی یا باندی کو بلایا لیکن اس کی جگہ کوئی اور عورت آ گئی اور اس نے اس سے وطی کر لی یا کسی نے اپنی زوجہ سے وطی فی الدبر کر لی یا اپنی زوجہ سے حالتِ حیض میں یا حالتِ نفاس میں وطی کر لی تو ان تمام صورتوں میں اس پر حد نہیں آئے گی اور اسی طرح اگر کسی نے نکاح مختلف فیہ میں وطی کر لی تو حنابلہ کے نزدیک اس پر حد نہیں آئے گی۔

مالکیہ(۹) کے نزدیک مشترکہ باندی سے وطی کرنا، مطلقہ ثلاث سے عدت میں وطی کرنا، ام ولد جس کو اس کا مولیٰ آزاد کر چکا ہو اس سے عدت کے دوران وطی کرنا، اپنے بیٹے یا بیٹی کی باندی سے وطی کرنا، کسی اجنبیہ کو اپنی عورت سمجھ کر وطی کر لی اور بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ اس کی زوجہ نہ تھی بلکہ اجنبیہ تھی اور نکاح مختلف فیہ میں وطی کرنا ان تمام صورتوں میں شبہ پائے جانے کی وجہ سے حد واجب نہیں ہو گی۔

مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ حنابلہ اور مالکیہ وطی پر سقوطِ حد کے معترف ہیں جب اس نے شبہ کی بنا پر وطی کی ہو۔

اس پوری بحث سے واضح ہوتا ہے کہ مختلف شبہات کی وجہ سے حدِ زنا ساقط ہو جاتی ہے اگرچہ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ کونسا شبہ حد کو ساقط کرنے والا ہے۔

حد قذف پر شبہ کا اثر

فقہاء نے قذف (کسی عورت پر جھوٹی تہمتِ زنا لگانا) کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔

قذف صریح یہ ہے کہ جس میں کوئی اور احتمال نہ ہو جیسے کوئی دوسرے کو یَا زَانِیُّ ، یَا اَنْتَ زَانٍ کہے اور قذف بالتعریض اوالکنایة یہ ہے جس میں قذف اور غیر قذف دونوں کا احتمال ہو جیسے کوئی اپنے ساتھی کو یوں کہے "مَا اَنَا بِزَانٍ" میں زانی نہیں ہوں "وَلَیْسَتْ اُمِّیْ بِزَانِیَةٍ" اور میری ماں زانیہ نہیں ہے۔

فقہاء[۱۰] کا اتفاق ہے کہ قذف صریح کی صورت میں حد واجب ہے لیکن قذف بالتعریض اور قذف بالکنایہ میں حد واجب ہونے کے بارے میں فقہاء کی تین رائے ہیں ۔

پہلی رائے

حنفیہ[۱۱] اور حنابلہ[۱۲] کی ایک روایت میں جو شخص تعریضاً یا کنایۃً قذف کا مرتکب ہو اس پر حد قذف نہیں آئے گی اور ان کے دلائل یہ ہیں۔

(۱)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

{وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَکْنَنْتُمْ فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ}[۱۳]

ترجمہ: یعنی دوران عدت اگر تم کسی عورت کو اشارۃ کنایۃ پیغام نکاح دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے تعریض اور تصریح میں فرق بیان کیا ہے کہ معتدہ سے تعریض بالخطبہ جائز ہے البتہ صراحتًا معتدہ کو پیغام نکاح دینا ناجائز ہے۔ تو حد قذف کے بارے میں تو تعریض اور تصریح میں بطریق اولیٰ فرق ہونا چاہیے۔

(۲)۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا:

اِنَّ اِمْرَأَتِیْ وَلَدَتْ غُلَاماً اَسْوَدَ.[۱۴]

ترجمہ: میری عورت نے ایک کالے لڑکے کو جنم دیا ہے۔

وہ آدمی اشارۃً کنایۃً اس لڑکے کے اپنے بیٹے ہونے کی نفی کر رہا ہے اور اپنی زوجہ پر زنا کی تہمت لگا رہا ہے لیکن چونکہ اس پہ تہمت تعریضاً اور کنایۃً لگائی ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص پر حد قذف نہ لگائی تھی۔ اس حدیث سے صاف طور پر ثابت ہے کہ اگر قذف تعریضاً یا کنایۃً ہو تو اس پرحد قذف نہ آئے گی۔

اور اس تعریض اور کنایۃ میں قذف اور غیر قذف دونوں کا احتمال ہوتا ہے اور احتمال تو

شبہ کا نام ہے اور شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔

دوسری رائے

دوسری رائے شافعیہ[۱۵] کی ہے کہ قاذف بالتعریض اوالکنایۃ پر حد واجب ہے۔ جب یہ ثابت ہو جائے کہ اس کی نیت قذف اور تہمت لگانی تھی۔ اس لیے کہ جب الفاظ کنایہ میں کسی ایک معنیٰ کی نیت کر لی جائے تو وہ کنایہ کے الفاظ صریح کے قائمقام ہو جاتے ہیں۔ لہذا اس پر حد واجب ہو گی لیکن جب اس کی تعریض اور کنایہ کے الفاظ سے قذف کی نیت نہ ہو تو حد واجب نہ ہو گی۔ خواہ اس نے تعریض و کنایہ والے الفاظ لڑائی کے دوران بولے ہوں یا زمانہ امن میں ادا کیے ہوں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس لیے کہ تعریض و کنایہ کے الفاظ قذف اور غیر قذف دونوں کا احتمال رکھتے ہیں لہذا جب تک قائل کی نیت نہ ہو گی ان الفاظ کو قذف شمار نہیں کیا جائے گا اور قائل پر حد قذف نہیں آئے گی۔

تیسری رائے

لیکن مالکیہ،[۱۶] حنابلہ[۱۷] کی دوسری روایت ہے اور ظاہریہ[۱۸] کے نزدیک کہ قذف بالتعریض اوالکنایہ میں حد واجب ہے جبکہ ان الفاظ سے قذف کا مفہوم نکلتا ہو یا قرائن دلالت کرتے ہوں کہ قاذف کا ارادہ ان الفاظ سے قذف ہے۔

وہ اپنی اس رائے کیلئے درج ذیل دلائل پیش کرتے ہیں۔

(۱)۔ حکم خداوندی ہے ۔

{وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ} [۱۹]

اور جو پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ نہیں لاتے ان کو اسی (۸۰) کوڑے لگاؤ اور ان کی کبھی بھی گواہی قبول نہ کرو۔

قرآنی حکم قاذف کی سزا کے بارے عام ہے۔ لہذا جب قذف کا جرم پایا جائے گا تو حد واجب ہو گی۔ قذف خواہ صریحاً ہو یا تعریضاً۔

(۲)۔ ان حضرات کی دوسری دلیل حضرت عمرؓ کا فیصلہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس شخص کے بارے مشورہ کیا جس نے اپنے ساتھی کو کہا تھا: ''مَا اَنَا بِزَانٍ وَلَيْسَتْ اُمِّيْ بِزَانِيَة'' کہ نہ میں زانی ہوں اور نہ

میری ماں زانیہ ہے۔ تو لوگوں نے رائے دی کہ اس نے اپنے ماں باپ کی مدح کی ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس نے تعریضاً اپنے ساتھی پر تہمت زنا لگائی ہے لہذا آپؓ نے اسے حدِ قذف اسی (۸۰) کوڑے لگوائے۔[۲۰]

مالکیہ اور ان کے موافقین کا قول راجح ہے اس لیے کہ حد قذف کی مشروعیت دفع عار یعنی شرمندگی دور کرنے کیلئے ہے۔ پس جب لوگوں نے قائل کے کلام سے قذف کو سمجھ لیا تو اس نے مقذوف (جس کیلئے اشارۃً و کنایۃً کے لفظ بولے گئے تھے) کو شرمندہ کر دیا (حالانکہ وہ اس میں جھوٹا ہے کیونکہ اس کے پاس چار گواہ نہیں ہیں) لہذا مقذوف سے عار و شرمندی کے دفعیہ کیلئے حد واجب ہو گی۔

حد سرقہ پر شبہ کا اثر

باپ کا اولاد کے مال سے چوری کرنا: ظاہریہ کے علاوہ تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ اصل (باپ) اگر اپنی فرع (اولاد) کے مال سے چوری کر لے تو باپ پر حد واجب نہیں ہوتی۔ وہ اپنی رائے پر درج ذیل دلائل پیش کرتے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

{وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ إِحْسَانًا. اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا}[۲۱]

ترجمہ: اور تیرے رب نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ ان میں سے دونوں یا ایک بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہو اور انہیں نہ جھڑکو۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں والدین کی اطاعت اور ان دونوں کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کی طرف برائی کرنے سے منع کیا ہے۔ جب محض اُف کہنا حرام ہے تو ہاتھ کاٹنا تو بطریق اولیٰ حرام ہو گا۔

۲۔ جمہور فقہاء کے مسلک (کہ اصل اگر فرع کے مال سے چوری کرے تو اس پر حد نہیں آئے گی) کی یہ احادیث بھی دلیلیں ہیں۔

(۱). (اَنْتَ وَمَالُکَ لِاَبِیْکَ)[۲۲]

ترجمہ: تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔

(۲). (اَنَّ اَطْیَبَ مَا اَکَلَ الرَّجُلُ مِنْ کَسْبِہٖ وَاَنَّ وَلَدَہ، مِنْ کَسْبِہٖ)[۲۳]

ترجمہ: یعنی آدمی کیلئے پاکیزہ ترین غذا اپنے ہاتھ کی کمائی ہے اور آدمی کا بیٹا بھی اس کی کمائی میں شامل ہے۔

ان دو حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ والد کو اپنے بیٹے پر حق حاصل ہے اور لڑکے پر لازم ہے کہ اپنے باپ پر خرچ کرے اور اس کی ضرورت پوری کرے لہذا باپ اگر اسکے مال سے چوری کرے گا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

۳۔ عقلی طور پر بھی فقہاء یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ باپ کا ہاتھ بیٹے کے مال سے چوری کرنے پر کاٹنا قطع رحمی ہے اور قطع رحمی تو حرام ہے لہذا باپ کے ہاتھ کو بیٹے کے مال سے چوری کرنے پر نہ کاٹا جائے گا اور مزید یہ کہ اصول کا فروع سے چوری کرنے پر بھی شروطِ سرقہ پوری نہیں ہوتیں۔ شروط سرقہ میں سے ایک شرط حرز یعنی حفاظت ہے۔ چونکہ اصل (باپ) فرع (بیٹے) پر بغیر اذن و اجازت کے داخل ہو سکتا ہے تو گویا باپ کو بیٹے کی طرف سے حتمی طور پر اجازت ملی ہوتی ہے۔ یعنی جب باپ نے بیٹے کے مال سے چوری کی تو اس کی تو بیٹے نے اجازت نہ دی تھی لیکن چونکہ عام حالات میں باپ بیٹے پر بلا اذن بھی داخل ہو سکتا ہے لہذا چوری کے وقت بھی اگرچہ صراحۃً تو اجازت نہیں ہے لیکن عام حالات کی اجازت کے پیش نظر یوں کہیں گے کہ عام حالات کی اجازت کے ضمن میں خود بخود چوری کے وقت بھی اجازت ہو گئی تو جب بیٹے کی طرف سے ضمناً اجازت ثابت ہو گئی تو بیٹے کا مال باپ سے محرز (محفوظ) نہ ہوا اور غیر محرز مال کے سرقہ پر حد نہیں آتی اسی لئے باپ پر بھی حدِ سرقہ اس صورت میں جاری نہ ہو گی کیونکہ سرقہ کی ایک اہم شرط حرز مفقود ہے۔ وَالْوَالِدُ لَایُقَادُ بِوَلَدِہٖ. باپ سے بیٹے کا قصاص نہیں لیا جاتا اور اگر باپ اپنے بیٹے کی باندی سے زنا کرلے تو اس پر حد زنا واجب نہیں ہوتی پس اس طرح باپ کے اپنے بیٹے کے مال سے چوری کرنے پر حدِ سرقہ بھی واجب نہ ہو گی۔

اس لیے بھی کہ باپ کیلئے اپنے بیٹے کے مال میں مِلک یا شبہ ملک پایا جاتا ہے اور باپ کو خرچہ دینا اور اور اس کی ضروریات پوری کرنا بیٹے کی ذمہ داری ہے۔ لہذا باپ کا بیٹے کے مال میں حصہ ثابت ہے (تو گویا باپ نے بیٹے کے مال میں سے اپنے حصے میں سے چوری کی ہے لہذا ایسی چوری پر حد سرقہ واجب نہیں ہو گی)۔

اصحاب الظواہر[۲۴] کے نزدیک اصل کے ہاتھ کو کاٹا جائے گا جب اس نے فرع کے مال سے چوری کی ہو اور وہ اپنی رائے کی یہ دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

(۱)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

{وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَهُمَا } [۲۵]

ترجمہ: چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کا ہاتھ کاٹ دو۔

پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیٹے کو اجنبی سے مخصوص نہیں کیا بلکہ حکمِ قطع مطلقاً وارد ہوا ہے۔ یعنی جس طرح اجنبی کے مال سے چوری کرنے پر قطعِ ید کا حکم ہے اسی طرح باپ کے اپنے بیٹے کے مال سے چوری کرنے پر بھی قطعِ ید کا حکم ہو گا۔ کیونکہ بیٹے کو اجنبی سے مخصوص نہیں کیا گیا۔

(۲)۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے

(اِنَّ اَمْوَالَکُمْ وَدِمَاءَ کُمْ عَلَیْکُمْ حَرَام") [۲۶]

ترجمہ: تمہارے اموال اور تمہارے خون (جانیں) تمہارے اوپر حرام ہیں۔

آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں اموال میں سے اجنبی کے مال کو بیٹے کے مال سے خاص نہیں کیا۔ یہ نہیں کہا کہ اجنبی کا مال چوری کرنا تو حرام ہے اور بیٹے کا مال چوری کرنا حرام نہیں ہے بلکہ ہر ایک کے مال کو چوری کرنے اور کسی ناجائز طریقے سے لینے کو حرام کہا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

{وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا} [۲۷]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بھولنے والا نہیں ہے۔

اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ باپ کو قطعِ ید کے حکم سے مخصوص کرنا چاہتا تو اس بات کو نہ بھولتا اور اسے مہمل نہ چھوڑتا بلکہ واضح طور پر اسکا حکم دیتا اور جب ایسا نہیں ہے تو ثابت ہوا ہے کہ باپ بھی قطعِ ید کے حکم میں شامل ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

{تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ }[۲۸]

ترجمہ: قرآن میں ہر چیز کی وضاحت اور بیان ہے۔

حکم سرقہ میں ماں باپ کو عام حکم قطعِ ید سے خاص نہیں کیا گیا تو یہ کہنا درست ہے کہ ماں باپ پر بھی قطع ید کا حکم لاگو ہو گا بشرطیکہ انہوں نے اپنی اولاد کے مال میں سے ایسی چوری کی ہو جس کی انہیں احتیاج نہ تھی۔ کیونکہ اصحاب الظواہر کے نزدیک اگر والدین ضرورت مند ہوں اور انہوں نے اپنی اولاد کے مال میں سے اپنی ضرورت اور احتیاج کے مطابق چوری کر کے یا جبراً یا جیسے بھی لے لیں تو والدین پر کچھ واجب نہ ہو گا اس لیے کہ انہوں نے صرف اپنا حق لیا ہے۔[۲۹]

لیکن جمہور کی رائے راجح ہے اس لئے کہ لڑکے کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ والدین کی اطاعت کرے اور ان کو ناراض نہ کرے اور محض اُف کہنا بھی حرام ہے اور والدین پر خرچہ کرنا اولاد پر واجب ہے۔ ان امور کے پیش نظر کہ اگر والدین نے اولاد کی مال سے چوری کر لی تو ان پر حد نہ آئے گی۔

اولاد کا باپ کے مال سے چوری کرنا

اگر فرع اپنے اصل کے مال میں سے چوری کرے جیسے بیٹا اپنے باپ کے مال سے چوری کرے کیا اس پر حدِ سرقہ واجب ہو گی یا نہیں۔ اس مسئلہ میں فقہاء کی دو رائے ہیں۔

پہلی رائے

حنفیہ،[۳۰] شافعیہ،[۳۱] حنابلہ[۳۲] اور مالکیہ[۳۳] کے ایک قول کے مطابق بیٹے پر باپ کے مال سے چوری کرنے پرحد واجب نہیں ہو گی۔ وہ اپنی رائے پر درج ذیل دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

(۱)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

{وَلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْبُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ}[۳۴]

ترجمہ: ’’تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے والد کے گھروں سے کھاؤ یا اپنی ماؤں کے گھروں سے کھاؤ‘‘۔

اللہ تعالیٰ نے ان افراد کے گھروں سے کھانا جائز قرار دیا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے گھروں میں داخل ہونا بھی جائز ہو اور ان کے گھروں سے کھانے میں گناہ نہ ہو۔ اس سے

چونکہ کھانے کی مطلقاً اجازت ثابت ہو رہی ہے تو یہ اجازت قریبی رشتہ دار کے ہاتھ کاٹنے سے مانع ہے۔

(۲)۔ یہ حضرات اپنے موقف کی یہ عقلی دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ باپ پر واجب ہے کہ وہ اپنے مال میں سے اپنے بیٹے پر خرچ کرے تو بیٹے کا اپنے باپ کے مال میں حق ثابت ہو گیا۔ بیٹے کا اپنے باپ کے مال سے چوری کرنا ایسے ہے جیسے کوئی بیت المال سے چوری کرے جیسے اس پر حد جاری نہیں ہوتی ایسے ہی بیٹے پر بھی حد واجب نہ ہو گی اور مزید یہ کہ بیٹے اور باپ میں ایسی قرابت ہے کہ جو ایک کی دوسرے کیلئے گواہی سے مانع ہے۔ یعنی بیٹے کی گواہی باپ کے حق اور باپ کی گواہی بیٹے کے حق میں قبول نہیں ہوتی جب اتنی قرابت ہے تو جیسے اصل کا ہاتھ فرع کے مال سے چوری کرنے پر نہیں کاٹا جاتا ایسے ہی فرع کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا۔

دوسری رائے

لیکن ظاہریہ[۳۵] کے مطابق فرع پر حد سرقہ واجب ہو گی جب اس نے اصل کے مال سے چوری کی ہو۔

لیکن مالکیہ کہتے ہیں کہ آیت سرقہ کے حکم قطعِ ید سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ''اَنْتَ وَمَالُکَ لِاَبِیْکَ'' کے مطابق بات کو مخصوص کیا گیا ہے۔ لیکن باپ کے علاوہ پر تو حد واجب ہو گی۔ لہذ ابیٹے پر حد واجب ہو گی۔ پس جمہور کا قول کہ بیٹے کا ہاتھ اپنے باپ کے مال سے چوری کرنے پر نہیں کاٹا جائے گا۔ اس لیے کہ رحم اور مہربانی باپ بیٹے کے باہمی تعلقات کا عنوان ہے اور بیٹے کے ہاتھ کو کاٹنا یہ تو قطع رحم ہے لہذا بیٹے کے ہاتھ کو نہیں کاٹا جائے گا۔

محرم رشتہ داروں کی چوری کرنا

محارم کی تعریف میں اصول و فروع کے علاوہ بھائی اور بہنیں اور چچے وغیرہ داخل ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے محارم کے مال میں سے چوری کرے تو کیا اس پر حد واجب ہو گی یا نہیں اس کے متعلق فقہاء کی دو رائے ہیں۔

پہلی رائے

مالکیہ'(۳۶) شوافع'(۳۷) حنابلہ(۳۸) اور ظاہریہ(۳۹) کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنے محارم کے مال میں سے چوری کرے تو اس پر حد واجب ہو گی وہ اپنی رائے کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں۔

(۱)۔ "وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا"(۴۰) ترجمہ:اور چور مرد اورعورت کا ہاتھ کاٹ دو۔

یہ آیت ہر چور کو شامل ہے لہذا محارم کے مال سے چوری کرنے والا بھی اس کے تحت داخل ہے اور اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اسی طرح وہ احادیث جو سرقہ کی سزا کے بارے وارد ہوئی ہیں ان میں صرف باپ کو مخصوص کیا گیا ہے کہ بیٹے کے مال سے چوری کرنے پر اس پر حد واجب نہ ہو گی لیکن محارم کے مال سے چوری کرنے پر ہاتھ نہ کاٹنے کی کوئی دلیل نہیں ہے لہذا اس پر حد واجب ہو گی اور ہاتھ کاٹا جائے گا۔

(۲)۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ محارم رشتہ داروں کی قرابت قبول شہادۃ سے مانع نہیں ہے لہذا یہ قرابت قطعِ ید سے بھی مانع نہیں ہو گی۔

(۳)۔ مالکیہ' شوافع' حنابلہ اور ظاہریہ کے موقف کی تیسری دلیل یہ ہے کہ سارق کو محارم کے مال سے حلت کا کوئی شبہ نہیں۔

دوسری رائے

لیکن حنفیہ کے نزدیک اگر چور نے بہنوں' بھائیوں اور چچوں وغیرہ محارم کے مال سے چوری کی تو چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ احناف کی دلیل یہ آیت ہے:

{وَلَا عَلٰىٓ اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْبُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ}(۴۱)

ترجمہ: ''تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے والد کے گھروں سے کھاؤ یا اپنی ماؤں کے گھروں سے کھاؤ''۔

یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ محارم پر دخول اور ان کے مال سے کھانا جائز ہے۔ اس لیے بھی محارم کے مال سے چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کہ وہ ایک دوسرے پر بغیر اجازت داخل ہو سکتے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ محارم پر داخل ہونے کی ضمنی اجازت ہے اس لیے محارم کے مال سے چوری کرنا مال محرز کی چوری نہ ہو گی اور حد قطع کیلئے لازم ہے کہ

مسروقہ مال محرز یعنی محفوظ ہو۔

احناف کا قول راجح ہے اس لیے کہ حرز کے بغیر حدِ سرقہ واجب ہی نہیں ہوتی۔ جب حرز نہ رہا تو وجوبِ حد کی شرط فوت ہو گئی لہذا محارم کے مال سے چوری کرنے پر حد واجب نہ ہو گی۔ پس سارق کو جب دخول کا اذن ہو اور وہ چوری کر لے تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب نہ ہو گا جیسے غلام اپنے آقا کے مال سے چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا اسی طرح محارم کے مال سے چوری کرنے والے کا ہاتھ بھی نہ کاٹا جائے گا۔

مشترکہ مال سے چوری کرنا

اس کی صورت یہ ہے کہ دو آدمی کسی ایک چیز میں شریک ہوں اور ہر شریک کا مال میں سے حصہ معلوم ہو اور ان میں ایک شریک مال مشترک میں سے چوری کرے۔

حنفیہ،[۴۲] شافعیہ،[۴۳] حنابلہ[۴۴] کے مطابق شریک کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا جب اس نے مال مشترک سے چوری کی ہو اور وہ اپنی رائے پر درج ذیل دلائل پیش کرتے ہیں:

(۱)۔ فرمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''مسلمانوں سے حدود کو استطاعت کے مطابق دور رکھو' سے واضح ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کو حدود سے بچایا جائے۔ چونکہ شریک پر اجراء حدود کا قطعی حکم موجود نہیں اور شرکت کی وجہ سے کمالِ جرم کا تحقق بھی نہیں ہوتا لہذا شریک پر حدِ قطع جاری کرنے کے تقاضے پورے نہیں ہوتے اور اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(۲)۔ شریک کے ہاتھ نہ کاٹنے کی عقلی دلیل بھی ہے کہ مال مشترک میں سے چوری کر لینے میں شبہ موجود ہے اس لیے کہ جس مال کی چوری کی جائے گی وہ مال مشترک کے تمام اجزاء میں ملا ہوا ہو گا اور چور یعنی شریک اپنے کل مال میں پھیلے ہوئے حصے کی وجہ سے مال مسروق کا مالک ہے جیسے کہ دوسرا شریک بھی اسی طرح مال مشترک کا مالک ہے۔ تو ملک کے شبہ کی وجہ سے جو شریک کی وجہ سے متحقق و ثابت ہے قطعِ ید کی حد ساقط ہو جائے گی۔

(۳)۔ اور اس رائے کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر دو شریکوں میں ایک باندی مشترکہ ہو اور ایک شریک اس سے جماع کرے تو اس پر حد قائم نہیں کی جاتی کیونکہ وہاں شبہ موجود ہے۔ اس طرح مشترکہ مال میں سے چوری کر لینے میں بھی اختلاط اموال کی وجہ سے شبہ موجود ہے لہذا یہاں بھی اس طرح حد قائم نہیں کی جائے گی۔

لیکن مالکیہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ شریک کا ہاتھ مالِ مشترک میں سے چوری کرنے پر کاٹا

جائے گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ مالِ مسروق اس کے شراکتی حصہ سے زیادہ ہو اور شرکت کا مال اس سارق شریک سے محرز بھی ہو یعنی اس سے محفوظ ہو اسے اس میں تصرف کی دوسرے شریک کی غیر موجودگی میں اجازت نہ ہو۔

لیکن قول جمہور (عدم قطع ید شریک) راجح ہے۔ اس لیے کہ وجوبِ قطع کی شروط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مال مسروق کسی دوسرے کا ملک ہو اور شراکت کی صورت میں سارق (شریک) کیلئے مالِ مسروق اس کے پھیلے ہوئے مِلک کی وجہ سے مملوک ہوتا ہے۔ لہذا اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ اس چوری میں مِلک کا شبہ موجود ہے۔

بیت المال اور مال غنیمت سے چوری کرنا

مسلمانوں کے بیت المال یا مال غنیمت میں سے چوری کرنا۔ اس بارے میں فقہاء کی دو رائے ہیں۔

پہلی رائے

حنفیہ،[۴۵] شافعیہ[۴۶] اور حنابلہ[۴۷] کے نزدیک چوری جب بیت المال یا مالِ غنیمت سے کی جائے تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اس لیے کہ چور کا بھی بیت المال اور مال غنیمت میں دوسروں کی طرح مِلک اور حق ہے اور وہ یہ دلائل پیش کرتے ہیں۔

(۱)۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ خمس کے غلاموں میں سے ایک غلام نے خمس کا مال چوری کر لیا یہ بات پیغمبر کے دربار میں پیش کی گئی تو آپؐ نے اس کا ہاتھ نہ کاٹا اور فرمایا کہ اللہ کے مال کے ایک حصے نے دوسرے حصے کو چوری کر لیا کیونکہ خمس والے غلام کا بھی خمس میں حصہ ہے۔[۴۸]

(۲)۔ یہ حضرات اپنے موقف کے اثبات میں درج ذیل آثار صحابہؓ بھی پیش کرتے ہیں:۔

۱۔ حضرت عمرؓ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔[۴۹]

۲۔ اور حضرت علیؓ سے روایت کیا گیاہے کہ ان کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے مال غنیمت سے چوری کی تھی تو آپ نے اس سے حد ساقط کر دی اور فرمایا:

(اِنَّ لَهٗ فِيْهِ نَصِيْبًا).[۵۰]

ترجمہ: اس چور کا بھی مال غنیمت میں حصہ ہے۔

یہ درج بالا احادیث اور آثارِ صحابہ دلالت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے بیت المال اور مال

غنیمت میں چوری کرنے والے پر حدِ قطع واجب نہیں ہو گی اور اصحاب رسولؐ مسلمانوں کے بیت المال میں سے چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹتے تھے۔

دوسری رائے

لیکن ظاہریہ[۵۱] اور مالکیہ (۵۲) کی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کے بیت المال میں سے چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

۱۔ وہ آیت سرقہ سے استدلال کرتے ہیں۔ کہ آیت سرقہ مطلقاً ہر چور کے ہاتھ کاٹنے کو ثابت کرتی ہے اور پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بیت المال اور مال غنیمت کے چور کی تخصیص نہیں فرمائی۔ لہذا باقی چوروں کی طرح ان کے ہاتھ کو کاٹا جائے گا۔

۲۔ حلال جب حرام کے ساتھ مل جائے تو سارا حرام بن جاتا ہے۔ اس کی مثال جیسے شراب پانی کے ساتھ مل جائے۔ پس جب چور نے بیت المال سے چوری کی اور بیت المال میں اس چور کا حصہ بھی ہے اور دوسروں کا بھی حصہ ہے تو چوری کی صورت میں چور نے دوسرے کے حق پر تجاوز کیا ہے۔ حلال حرام کے ساتھ مل گیا تو سارا مال چور کے حق میں حرام ہو گیا اور ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے جیسے شراب میں ملے ہوئے پانی پینے پر حدِ خمر واجب ہوتی ہے ایسے بیت المال یا مال غنیمت میں چوری کرنے پر حد سرقہ واجب ہے۔

جمہور کا قول راجح ہے کیونکہ ایسے چور کے بارے میں فرمان پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہے۔ اس لیے بھی قول جمہور راجح ہے کہ بیت المال اور مال غنیمت میں چور کا بھی ایک طرح سے حق ہے تو یہاں شبہ پیدا ہو گیا لہذا حدِ قطع ساقط ہو جائے گی۔

شوہر کا اپنی بیوی کے مال سے چوری کرنا

خاوند کا بیوی کے مال سے چوری کر لینا یا بیوی کا اپنے خاوند کے مال سے چوری کر لینا اس بارے میں فقہاء کی تین آراء ہیں۔

پہلی رائے

حنفیہ[۵۳] شافعیہ[۵۴] کے ایک قول میں اور حنابلہ[۵۵] کی ایک روایت میں خاوندٔ بیوی میں سے کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ان کی دلیلیں یہ ہیں۔

(۱)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

{وَلَا عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ اَنۡ تَاۡكُلُوۡا مِنۡ بُيُوۡتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اٰبَآئِكُمۡ اَوۡبُيُوۡتِ اُمَّهٰتِكُمۡ} (۵۶)

ترجمہ: ''تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے والد کے گھروں سے کھاؤ یا اپنی ماؤں کے گھروں سے کھاؤ''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آیت میں مذکور لوگوں کے گھروں سے کھانے کی اجازت دی ہے اور کھانے کی اجازت کا تقاضا یہ ہے کہ ان لوگوں کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر داخل ہونا جائز ہو۔ جب دخول جائز ہوا تو جو کچھ گھر میں ہے وہ ان سے محرز نہ ہوا تو جب حرز نہ ہوا تو قطع بھی نہ ہو گا۔

علاوہ ازیں ان لوگوں کے مال کھانے کی اجازت بھی وجوب قطعِ ید سے مانع ہے اس لیے کہ اس مال میں چور کا حق ہے جیسے شریک کا مال مشترک میں حق ہوتا ہے لہذا شریک کی طرح خاوند' بیوی میں سے بھی کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا جب وہ ایک دوسرے کے مال سے چوری کریں۔

(۲)۔ عدم قطع ید الزوجین کی دوسری دلیل یہ ہے کہ فرمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

(كُلُّكُمۡ رَاعٍ وَ كُلُّكُمۡ مَسۡئُوۡلٌ'' عَنۡ رَعِيَّتِهٖ)(۵۷)

ترجمہ: تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے۔

امیر' لوگوں کا نگران اور جوابدہ ہوتاہے اور اسی طرح آدمی اپنے گھر والوں کا نگران اور اپنی نگرانی کا جوابدہ ہوتا ہے۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک' دوسرے کے مال پر امین ہے لہذا زوجین میں سے کسی پر حد سرقہ لاگو نہ ہو گی۔

(۳)۔ اس موقف کی تیسری دلیل عقلی ہے کہ زوجین میں سے جب کوئی دوسرے سے خرچ لینے کا محتاج ہو تو دوسرے کو اس پرخرچ کرنا واجب ہے اور محتاج' دوسرے سے بغیر بدل کے اپنی مطلوب چیز لے سکتا ہے۔ زوجین کے اس قسم کے تعلق کی وجہ سے ان کا ایک دوسرے کے مال سے چوری کر لینا ایسے ہو گیا جیسے کوئی شخص بوقت حاجت اور ضرورت بیت المال سے چوری کرے تو اس پر کوئی بدل لازم نہیں آتا کیونکہ چور کا بھی بیت المال میں حق ثابت ہے۔ اسی طرح زوجین کی باہمی چوری کر لینے پر بھی ان پر حد سرقہ واجب نہ ہو گی۔

دوسری رائے

ظاہریہ[۵۸] اور شافعیہ[۵۹] کے ایک قول میں میاں، بیوی میں سے کوئی ایک جب دوسرے کی چوری کرے گا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ البتہ شرط یہ ہے کہ وہ مال مجور عن السارق ہو یعنی چوری کرنے والے کو اس میں تصرف کی اجازت نہ ہو۔ ہاتھ کاٹنے کی دلیل یہ ہے کہ آیت سرقہ اور اس کے بارے جو احادیث آئی ہیں وہ عام ہیں اور ہر چور کو شامل ہیں لہذا زوجین بھی حکم قطع میں شامل ہیں اور عقلی دلیل بھی ہے کہ زوج اور زوجہ میں سے ہر ایک مکلّف ہے اور انہوں نے ایسے مال سے چوری کی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ چونکہ مجور عن التصرف ہونے کی شرط لگائی گئی ہے لہذا وہ مال محرز بھی ہوا تو ایسی صورت میں زوجین کا ایک دوسرے کے مال سے چوری کرنا ایسے ہے جیسے ان کے مال سے کسی اجنبی نے چوری کر لی ہو تو جس طرح اجنبی پر حد قطع واجب ہوتی ہے اسی طرح زوجین بھی ایک دوسرے کے حق میں اجنبی ہیں اور ان پر حد سرقہ واجب ہو گی۔

اس لیے بھی زوجین پر حد قطع واجب ہو گی کہ نکاح کی عقد منفعت پر ہے یعنی اس سے نفع حاصل ہوتا ہے لہذا اگر زوجین میں سے کسی نے آپس میں چوری کر لی تو حد ساقط نہ ہو گی جیسے زوجین میں سے کوئی دوسرے کو کوئی چیز کرایہ پر دے تو کرایہ ساقط نہیں ہوتا۔

تیسری رائے

لیکن شافعیہ کے ہاں تیسرا قول بھی ہے کہ شوہر چوری کرے تو حد واجب ہے لیکن اگر بیوی مال شوہر سے چوری کرے تو حد سرقہ واجب نہ ہو گی اور ان کے اس قول کے دلائل یہ ہیں۔

(۱)۔ ارشاد خداوندی ہے:

{وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰھُنَّ قِنْطَاراً فَلاَ تَاْخُذُوْا مِنْہُ شَیْئًا} [۶۰]

ترجمہ: اگر تم نے بطور حق مہر کسی بیوی کو خزانہ بھر مال دیا ہے تو صورتِ طلاق میں ان سے واپس نہ لو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

{فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَیءٍ مِنْہُ نَفْساً فَکُلُوْہُ ھَنِیْئًا مَّرِیْئًا} [۶۱]

ترجمہ: اگر وہ تمہیں اپنے حق مہر میں سے بخوشی کچھ حصہ دے دیں تو اسے خوشگواری سے
کھا سکتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ان دو آیات کریمہ میں بیان فرمایا ہے کہ عورت کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر لینا حرام ہے خواہ عورت کے پاس کثیر مال ہو یا قلیل۔

(۲)۔ ان حضرات کی دوسری دلیل حدیث نبویؐ ہے کہ آپؐ نے ابوسفیان کی بیوی سے ارشاد فرمایا کہ:

(خُذِیْ مَایَکْفِیْکِ وَوَلَدِکِ بِالْمَعْرُوْفِ)(۶۲)

ترجمہ: شوہر کے مال میں سے تو اتنا لے سکتی ہے جو تجھے اور تیرے بچوں کی ضرورت کی
کفایت کرے۔

پیغمبرؐ نے اجازت دی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے مال میں سے اپنی اور اپنے بچوں کی ضروریات کیلئے بقدر کفایت لے سکتی ہے عورت کو خاوند کے مال میں کئی حقوق بھی حاصل ہیں۔ جیسے حق مہر، نان نفقہ، لباس، رہائش اور خادمہ وغیرہ تو ان حقوق کیوجہ سے زوجہ، مال زوج میں شریک ہو گئی۔ لہذا اگر زوجہ نے مال زوج میں سے چوری کر لی تو اس پر حد سرقہ واجب نہ ہو گی۔

احناف اور ان کے موافقین کا قول راجح ہے کہ زوجین میں سے کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ ان دونوں کے درمیان تعلق اور محبت موجود ہے اور یہ محبت و مودت، شدت اور قطع میں موجود زجر کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی اور زوجین کا مال ایک دوسرے کے مال سے مختلف نہیں ہوتا، ان دونوں کا مال ایک ہی مال ہوتا ہے اور ایک ہی جگہ میں ہوتا ہے اور زوجہ کے لیے اپنا علیحدہ مال ہونا ممنوع تو نہیں لیکن یہ بھی زوج کی اجازت سے ہو گا اور اس لیے بھی احناف اور انکے موافقین کا قول عدم قطع ید الزوجین راجح ہے کہ اگر زوج فقیر ہو اور زوجہ مالدار ہو تو گھر پر زوجہ خرچ کرے گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ زوجین کا مال ایک ہی مال شمار ہوتا ہے اور ان میں محبت و مودت کا رشتہ ہونے کی وجہ سے عدمِ قطع کا حکم ہی راجح ہے۔

غاصب اور مقروض کے مال سے چوری کرنا

فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر قرض خواہ اپنے مقروض کے مال سے چوری کرے تو اس پر

قطع ید کی حد واجب نہ ہو گی۔ لیکن فقہاء نے اس مسئلہ کی بعض جزئیات میں اختلاف کیا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اگر قرض خواہ نے اپنے مقروض سے وہ جنس چوری کی جس کا قرض خواہ اپنے قرضے میں لینے کا حقدار تھا جیسے قرض خواہ نے اپنے مقروض سے دس درہم لینے تھے اور اس نے مقروض کے دس درہم چوری کر لیے قرض خواہ کی طرف سے مقروض کو مہلت نہ تھی بلکہ دونوں میں قرضہ کی واپسی لازم تھی۔ تو قرض خواہ کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اس لیے کہ اس نے چوری کرکے اپنی قرضے کی جنس ہی کو حاصل کیا ہے۔ اس طرح اگر قرض خواہ نے اپنے قرضے سے زیادہ مال چوری کر لیا تو بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اس لیے کہ جو مال اس نے چوری کیا ہے اس کا کچھ حصہ خود مقروض کا اپنا ہے اور اس کا وہ حصہ تمام مال میں پھیلا ہوا ہے لہذا اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

لیکن اگر قرضہ مؤجل ہو یعنی اس کی وصولی میں مہلت باقی ہو تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ہاتھ کو کاٹا جائے اس لیے کہ قرض جب مؤجل تھا تو قرض خواہ کو وقت موعود آنے سے قبل قرضہ لینے کا حق نہ تھا۔ یہ ایسے ہو گیا جیسے مقروض کی کوئی اجنبی چوری کر لے تو جیسے اجنبی کا ہاتھ کاٹا جائے گا ایسے ہی قرض خواہ کا بھی ہاتھ کاٹا جائے۔

لیکن استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ قرض خواہ کا ہاتھ کاٹنا واجب نہ ہو خواہ قرضہ مؤجل ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ قرضہ وصول کرنے کا حق اگرچہ مقرر وقت آنے سے قبل ثابت نہیں ہے۔ لیکن ثبوتِ حق کا سبب موجود ہے اور وہ قرضہ ہے۔ اور مہلت دینے کا اثر یہ ہے کہ قرضہ کا مطالبہ وقت مقرر تک مؤخر ہو جائے گا لیکن اس تأجیل سے قرضہ ساقط تو نہیں ہو جاتا لہذا قرضہ لینے کا حق موجود و قائم ہے یہ لینے کا حق شبہ کو جنم دیتا ہے جس کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔

لیکن اگر قرض خواہ نے اپنے قرضہ کی جنس کے علاوہ کسی اور جنس سے چوری کی ہو مثلاً اس نے مقروض سے درہم لینے تھے اور اس نے اس سے دنانیر یا کوئی اور ساز و سامان چوری کر لیا تو حنفیہ کی ایک روایت کے مطابق قطعِ ید واجب ہے۔ لیکن شافعیہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک سارق کا ہاتھ کاٹا جائے گا خواہ اس نے قرضہ کی جنس سے چوری کی ہو یا غیر جنس سے چوری کی ہو البتہ ایک شرط ہے کہ مدیون ٹال مٹول کرنے والا ہو اور قرض خواہ اس سے اپنا مال وصول کرنے سے عاجز ہو۔ کیونکہ اس صورت میں قرض خواہ کو اپنا حق وصول کرنے کا حق

ہے۔[۶۳]

جب مغصوب عنہ غاصب سے اپنا مال چوری کرے اور اس کے ساتھ ایک اور نصاب مال بھی چوری کرلے تو فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ حنفیہ[۶۴] کے نزدیک اگر مغصوب عنہ غاصب کے مال کی چوری کر لی تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس لیے کہ مغصوب کی ضمان غاصب پر آتی ہے اور غاصب پر ضمان آنا یہ مِلک کی ضمان ہے۔ غاصب کا ہاتھ مشتری کے ہاتھ سے مشابہ ہو گیا۔ تو جیسے مشتری سے بائع چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر مغصوب عنہ نے غاصب کی چوری کر لی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹا جائے گا۔ لیکن اس مسئلہ میں حنابلہ،[۶۵] شافعیہ[۶۶] کی تین آراء ہیں۔

الاول : اس کا ہاتھ کاٹنا واجب نہیں ہے اس لیے کہ اس نے ایسے محفوظ مال کو چرایا ہے جس مال کو لینے کا اسے حق ہے تاکہ وہ اپنا مال وصول کر سکے۔

الثانی : اس کا ہاتھ کاٹنا لازم ہے اس لیے کہ جب اس نے غاصب کا مال چوری کیا تو معلوم ہو گیا کہ اس کا ارادہ اپنا مال واپس لینا نہیں ہے بلکہ غاصب کے مال کو چوری کرنا مقصود ہے۔ لہذا اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

الثالث : جب مالِ مسروق اس کے اپنے مال کے علاوہ ہو تو قطع ید واجب ہے اس لیے کہ اس مال کے چوری ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ لیکن اگر مال مسروق اس کے مال کے ساتھ مختلط ہو تو پھر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اس لیے کہ جو مال چوری کیا گیا ہے اس میں دو قسم کے مال ملے ہوئے ہیں ایک تو خود غاصب کا اپنا ذاتی مال اور دوسرا مغصوب عنہ کا مال ہے۔ پہلے قسم کے مال سے چوری کرنا موجب قطع ہے جبکہ دوسری قسم سے چوری کرنا موجب قطع نہیں ہے۔ اب چونکہ موجب قطع اور غیر موجب قطع مال ایک دوسرے سے جدا نہیں ہے لہذا ایسے مال کی چوری کرنے سے حد سرقہ واجب نہ ہو گی۔

تیسری رائے جمہور کے نزدیک راجح ہے کیونکہ مغصوب عنہ کا مال، غاصب کے مال سے متمیز و جدا نہیں ہے اور اس لیے بھی یہ رائے راجح ہے کہ مغصوب عنہ کیلئے اس مال میں حق ثابت ہے لہذا ایسے مال کی چوری سے حد سرقہ، قطع ید واجب نہ ہو گی۔

حد حرابہ میں شبہ کا اثر

چوری اور رہزنی بظاہر ایک جیسی معلوم ہوتی ہیں لیکن ان میں فرق ہے کسی کے مال کو خفیہ طور پر لینے کو چوری کہتے ہیں۔ غلبہ حاصل کرکے کسی کے مال کو لوٹنے کو رہزنی کہتے ہیں۔ رہزنی کے ضمن میں مندرجہ ذیل اشتباہ کی صورتیں ہیں۔

رہزنوں میں محارم کی شمولیت کا شبہ

اگر رہزنوں میں کوئی ایسا شخص ہو جو مقطوع علیہ کا نسبی محرم ہو تو حد عائد نہیں ہو گی۔ کیونکہ قاطع و مقطوع علیہ کے مابین مال اور حرز کے ضمن میں بے تکلفی پائی جاتی ہے۔ عام طور پر ان کے درمیان مال لینے کی اجازت پائی جاتی ہے۔ محارم کی شرکت سے اجنبی رہزنوں کے حق میں شبہ پیدا ہو گیا۔ اور یہ شبہ حد کے سقوط کا باعث ہے۔(٦٧)

رہزن کی عدم بلوغت و فاتر العقل ہونے کا شبہ

رہزن پر حد کے نفاذ کے لئے ضروری ہے کہ وہ بالغ و عاقل ہو۔ اگر رہزن نابالغ یا مجنون ہو تو اس پر حد لازم نہیں آئے گی۔ کیونکہ نابالغ اور فاتر العقل کے فعل پر جرم کی اصطلاح صادق نہیں آتی ہے۔ اگر رہزنوں کی جماعت میں کوئی نابالغ یا فاتر العقل شامل ہو تو طرفین (امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی رائے کے مطابق ان میں سے کسی رہزن پر حد عائد نہیں ہو گی۔ امام ابویوسف کا قول ہے کہ اگر رہزنی کے جرم کا ارتکاب نابالغ نے کیا ہو تو پھر حد نافذ نہیں ہو گی۔ اگر نابالغ کی بجائے کسی بالغ نے کیا ہو تو اس بالغ و عاقل پر حد نافذ کی جائے گی۔(٦٨)

ناقص نصاب سرقہ کا شبہ

حد حرابہ کے لئے ضروری ہے کہ مال دس درہم یا اتنی مالیت کا کامل نصاب ہو۔ اگر مال ماخوذ تقسیم کرنے سے ہر رہزن کے حصے میں دس درہم نہ آئیں تو ان میں سے کسی پر حد لازم نہیں ہو گی۔(٦٩)

جائے وقوعہ سے متعلق شبہات

حد حرابہ کے لئے ضروری ہے کہ رہزنی کی واردات دارالاسلام میں ہوئی ہے۔ اگر یہ واردات دارالحرب میں ہوئی ہو تو حد عائد نہیں ہو گی۔ کیونکہ نفاذ حد کی ولایت (اختیار) امام کو

حاصل ہے۔ اور دارالحرب میں اسے کوئی ولایت حاصل نہیں۔ لہذا وہ اقامت حد پر قادر نہیں ہو سکتا۔ حد حرابہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ رہزنی کی واردات شہر سے باہر ہو۔ اگر یہ شہر میں ہو تو اس سے حد واجب نہیں ہو گی۔ خواہ یہ واردات دن کے وقت ہوئی ہو یا رات کے وقت۔ چاہے ہتھیاروں کے ساتھ کی گئی ہو یا ہتھیاروں کے علاوہ کسی اور چیز سے یہ استحسان ہے اور طرفین کی رائے ہے۔ جبکہ قیاس کی رو سے حد واجب ہو گی یہ امام ابو یوسف کا قول ہے۔[۷۰]

حد شُرب میں شبہ کا اثر

شراب نوشی متعدد مفاسد اور تباہ کاریوں کا باعث بنتی ہے۔ بغض و عداوت کا سبب ہے اور ذکر الٰہی سے روکتی ہے۔ اس لئے شراب کو ام الخبائث کہا گیا ہے۔ اور شراب نوشی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ فقہی اصطلاح میں ہر وہ چیز جو نشہ آور ہو خواہ وہ انگور کا رس ہو یا کھجور کا یا گندم، جو، چاول، کشمش کا عصارہ ہو۔ شراب کے حکم میں داخل ہے۔ شراب نوشی کی حد اسی کوڑے ہے۔

حد شرب کے لئے درج ذیل اشتباہ کی صورتیں ہیں۔

عدم بلوغت و فاتر العقل ہونے کا شبہ

حد شرب کے نفاذ کیلئے ضروری ہے کہ شراب نوشی کرنے والا عاقل اور بالغ ہو۔ اگر شراب نوشی کرنے والا نابالغ اور فاتر العقل ہو تو اس پر حد عائد نہیں ہو گی۔[۷۱]

اکراہ کا شبہ

جس شخص کو شراب پینے پر مجبور کیا گیا ہو اس پر حد عائد نہیں ہو گی۔ کیونکہ اکراہ شبہ کو جنم دیتا ہے اور شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔[۷۲]

ملاوٹ کا شبہ

حد شرب کے لئے ضروری ہے کہ نوش کرتے وقت تک مشروب پر شراب (خمر) کا نام صادق آتا ہو۔ اگر شراب میں پہلے پانی ملایا گیا ہو اور پھر اسے پیا گیا ہو تو اس صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ اگر اس آمیزے میں پانی غالب ہے تو اس کے پینے والے پر حد واجب نہ ہو گی۔ کیونکہ پانی کے غلبے کی صورت میں اس آمیزے پر شراب کا نام صادق نہیں آتا۔ اگر شراب کی مقدار غالب ہو یا پانی اور شراب کی مقدار برابر ہو تو حد نافذ ہو گی۔[۷۳]

خلاصہ بحث

اس پوری بحث سے واضح ہوتا ہے کہ مختلف شبہات کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ کون سے شبہات حدود کو ساقط کرنے والے ہیں۔ ہر شبہ پر دلیل قطعی نہیں ہے۔ نہ قرآن کی آیت، نہ حدیث، نہ اجماع بلکہ فقہاء نے احادیث اور اقوال صحابہؓ سے قیاساً استنباط کر کے شبہات کا ثبوت مہیا کر کے حدود کو ساقط کر دیا ہے۔ چونکہ چاروں فقہاء امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور احمدؒ بن حنبل کے زمانہ میں لوگوں کی اخلاقی حالت اچھی تھی۔ ان میں جھوٹ بولنے اور جرم یا حق چھپانے کا عام رواج نہیں تھا وہ لوگ صاحب باکردار تھے۔ اسلئے اس قسم کے معاشرہ میں ایسے شبہات واقعی حدود کو ساقط کر دیتے ہیں۔ لیکن جب لوگوں کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ نہ تو وہ سچ بولتے ہوں اور نہ وہ جرم کا اقرار کرتے ہوں تو ان شبہات سے ایسے لوگ واقعی ناجائز فائدہ اٹھائیں گے اور کوئی حد نافذ ہی نہیں ہو سکے گی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض متاخرین اور معاصرین نے ان شبہات پر اعتراضات کئے ہیں۔

آج کل اگر غور کیا جائے تو واقعی ان شبہات کی موجودگی میں واقعی کوئی حد نافذ ہی نہیں ہو سکتی ہے۔ مثلاً آج کل اگر ایک مرد اور عورت کو مباشرت کرتے ہوئے پکڑا گیا اور ان کو معلوم ہو کہ اگر ہم نے یہ کہا کہ ہم نے شادی کی ہے تو ہم بچ جائیں گے تو وہ ضرور کہیں گے۔ اگرچہ انہوں نے شادی نہ بھی کی ہو تو اس صورت میں حد کا نفاذ مشکل ہو جائے گا۔ اس لئے اس مسئلہ پر اجتماعی کوششوں کی ضرورت ہے۔ اور اس بات کی ضرورت ہے کہ حالات حاضرہ کے تقاضوں کو مدنظر رکھا جائے اور مختلف فقہاء کی آراء پر غور کیا جائے۔ اور ایک متفقہ لائحہ عمل طے کیا جائے۔ تاکہ آج کل کے معاشرہ میں مجرم ایسے شبہات کی بنیاد پر سزا سے نہ بچ سکے اور معاشرہ قانون شکنی سے محفوظ رہے۔

حوالہ جات / حواشی

۱۔ اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص: ۱۰۹، المکتبۃ الرشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان
۲۔ ابن عابدین، رد المحتار علی در المختار، ص:۱۵۴/۳، المکتبۃ الماجدیہ، پاکستان
۳۔ البیہقی، السنن الکبریٰ، کتاب الحدود، ص:۲۳۸/۸، دارالمعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان
۴۔ ابن ابی شیبۃ المصنف، کتاب الحدود، ص: ۵۱۵/۶، مکتب الدراسات والبحوث فی دارالفکر، بیروت
۵۔ ایضاً، ص: ۵۱۵/۶

۶۔ ابن ہمام، شرح فتح القدیر، ص: ۳۴/۵، المکتبۃ الرشیدیہ کوئٹہ پاکستان
۷۔ الخطیب، مغنی المحتاج، ص: ۱۴۴/۴، شرکۃ مکتبہ و مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر
۸۔ ابن قدامہ المغنی، ص: ۱۸۴/۸، مکتبۃ الریاض الحدیثہ ریاض
۹۔ مالک بن انس، المدونۃ الکبریٰ، ص: ۲۱۳/۶، دار صادر بیروت
۱۰۔ ابن ہمام فتح القدیر، ص: ۸۹/۵، المکتبۃ الرشیدیہ کوئٹہ پاکستان
الکاسانی ، بدائع الصنائع، ص: ۳۲/۷، المکتبۃ الرشیدیہ کوئٹہ پاکستان
الشیرازی، المہذب، ص: ۲۷۳/۲، طبع بمطبعۃ عیسیٰ البابی الحلبی وشرکاۃ، مصر
ابن حزم، المحلی، ص: ۲۶۵/۸، دار الفکر، بیروت، لبنان
ابن قدامہ المغنی، ص: ۲۱۶/۸، مکتبۃ الریاض الحدیثہ ریاض
۱۱۔ الکاسانی، بدائع الصنائع، ص: ۴۲/۷، المکتبۃ الرشیدیہ کوئٹہ پاکستان
۱۲۔ ابن قدامہ المغنی، ص: ۲۲۲/۸، المکتبۃ الرشیدیہ کوئٹہ پاکستان
۱۳۔ البقرہ: ۲۳۵
۱۴۔ ابوداوٗد، سنن ابی داوٗد، کتاب الطلاق، ص:۱/ ۳۰۸، ادب منزل، پاکستان چوک، کراچی
۱۵۔ الشیرازی، المہذب، ص: ۲۷۳/۲، طبع بمطبعۃ عیسیٰ البابی الحلبی وشرکاۃ، مصر
۱۶۔ مالک بن انس، المدونۃ الکبریٰ، ص: ۳۹۱/۴، دار صادر، بیروت
۱۷۔ ابن قدامہ المغنی، ص: ۲۳۲/۷، مکتبۃ الریاض الحدیثہ ریاض
۱۸۔ ابن حزم، المحلی، ص: ۲۸۱/۱۱، دارالفکر، بیروت، لبنان
۱۹۔ النور: ۴
۲۰۔ مالک، المؤطا، کتاب الحدود، ص: ۵۳۹، ادب منزل، پاکستان چوک، کراچی
۲۱۔ بنی اسرائیل: ۲۳
۲۲۔ ابن ماجۃ السنن، کتاب التجارات، ص: ۱۶۵/۲، نور محمد کارخانہ تجارت، آرام باغ، کراچی
۲۳۔ ایضاً، ص: ۱۵۵/۱
۲۴۔ ابن حزم، المحلی، ص: ۳۴۴/۸، دارالفکر، بیروت، لبنان
۲۵۔ المائدۃ: ۳۸
۲۶۔ ابن ماجۃ السنن، کتاب المناسک، ص: ۲۱۹، نور محمد کارخانہ تجارت، آرام باغ، کراچی
۲۷۔ مریم: ۶۴
۲۸۔ النحل: ۸۹
۲۹۔ ابن حزم، المحلی، ص۳۴۴/۸، دارالفکر، بیروت، لبنان
۳۰۔ ابن ہمام، شرح فتح القدیر، ص: ۱۴۲/۵، المکتبۃ الرشیدیہ کوئٹہ پاکستان
۳۱۔ الشیرازی، المہذب، ص: ۲۸۱/۲، طبع بمطبعۃ عیسیٰ البابی الحلبی وشرکاۃ، مصر
۳۲۔ ابن قدامہ المغنی، ص: ۲۷۶/۸، مکتبۃ الریاض الحدیثہ ریاض
۳۳۔ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ص: ۱۷۰/۶، انتشارات ناصر خسرو، تہران، ایران

۳۴۔ النور: ۶۱
۳۵۔ ابن حزم، المحلی، ص: ۳۴۶/۸، دارالفکر، بیروت، لبنان
۳۶۔ ابن رشد، بدایۃ المجتھد، ص: ۳۳۸/۲، المکتبۃ العلمیہ، لاہور، پاکستان
۳۷۔ الشیرازی، المہذب، ص: ۲۸۱/۲، طبع بمطبعۃ عیسٰی البابی الحلبی وشرکاۃ، مصر
۳۸۔ ابن قدامۃ، المغنی، ص: ۲۷۶/۸، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض
۳۹۔ ابن حزم، المحلی، ص: ۳۴۴/۱۱، دارالفکر، بیروت، لبنان
۴۰۔ المائدہ: ۳۸
۴۱۔ النور: ۶۱
۴۲۔ الکاسانی، بدائع الصنائع، ص: ۸۵/۷، المکتبۃ الرشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان
۴۳۔ الخطیب، مغنی المحتاج، ص: ۱۶۲/۴، طبع بمطبعۃ عیسٰی البابی الحلبی وشرکاۃ، مصر
۴۴۔ ابن قدامۃ، المغنی، ص: ۲۷۷/۸، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض
۴۵۔ ابن ہمام، فتح القدیر، ص: ۱۳۹/۵، المکتبۃ الرشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان
۴۶۔ الشیرازی، المہذب، ص: ۲۸۱/۲، طبع بمطبعۃ عیسٰی البابی الحلبی وشرکاۃ، مصر
۴۷۔ ابن قدامۃ، المغنی، ص:۲۷۷/۴، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض
۴۸۔ ابن ماجۃ، السنن، کتاب الحدود، باب العبد یسرق، ص: ۱۸۶، نور محمد کارخانہ تجارت، آرام باغ، کراچی
۴۹۔ عبدالرزاق، المصنف ص: ۲۱۲/۱۰، المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان
۵۰۔ السرخسی، المبسوط، ص: ۱۸۸/۹، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان
۵۱۔ ابن حزم، المحلی، ص: ۳۲۸/۱۱، دارالفکر، بیروت، لبنان
۵۲۔ ابن رشد، بدایۃ المجتھد، ص: ۳۳۸/۲، المکتبۃ العلمیۃ، لاہور، پاکستان
۵۳۔ ابن ہمام، شرح فتح القدیر، ص: ۱۴۳/۵، المکتبۃ الرشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان
۵۴۔ الشیرازی، المہذب، ص: ۲۸۱/۲، طبع بمطبعۃ عیسٰی البابی الحلبی وشرکاۃ، مصر
۵۵۔ ابن قدامۃ، المغنی، ص: ۲۷۶/۸، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض
۵۶۔ النور: ۶۱
۵۷۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب اللقطۃ، ص: ۳۴۷/۱، نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت، آرام باغ، کراچی
۵۸۔ ابن حزم، المحلی، ص:۳۴۷/۸، دارالفکر، بیروت، لبنان
۵۹۔ الشیرازی، المہذب، ص: ۲۸۱/۲، طبع بمطبعۃ عیسٰی البابی الحلبی وشرکاۃ، مصر
۶۰۔ النساء: ۲۰
۶۱۔ النساء:۴
۶۲۔ البخاری، الصحیح البخاری، کتاب النفقات، ص:۸۰۸/۲، نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت، آرام باغ، کراچی
۶۳۔ الشیرازی، المہذب، ص: ۲۸۳/۲، طبع بمطبعۃ عیسٰی البابی الحلبی وشرکاۃ، مصر
۶۴۔ الکاسانی، بدائع الصنائع، ص: ۸۰/۷، المکتبۃ الرشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان
۶۵۔ ابن قدامۃ، المغنی، ص: ۲۵۵/۸، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض

۶۶۔ الشیرازی، المھذب، ص: ۲/۲۸۲، طبع بمطبعۃ عیسٰی البابی الحلبی وشرکاۃ، مصر
۶۷۔ ابن عابدین، رد المحتار علی در المختار، ص: ۳/۲۳۵، المکتبۃ الماجدیۃ پاکستان
۶۸۔ الکاسانی، بدائع الصنائع، ص: ۷/۹۱، المکتبۃ الرشیدیۃ کوئٹۃ پاکستان
۶۹۔ ابن ہمام، شرح فتح القدیر، ص: ۳/۱۷۸، المکتبۃ الرشیدیۃ کوئٹۃ پاکستان
۷۰۔ ایضاً، ص: ۷/۹۱
۷۱۔ الکاسانی، بدائع الصنائع، ص: ۷/۳۹، المکتبۃ الرشیدیۃ کوئٹۃ پاکستان
۷۲۔ ابن عابدین، رد المحتار علی در المختار، ص: ۳/۱۷۸، المکتبۃ الماجدیۃ پاکستان
۷۳۔ ایضاً، ص ۷/۱۳۹